نورالحسن راشد

مکتوبات آزردہ بنام مولانا نورالحسن کاندھلوی

مولانا نورالحسن کاندھلوی، مولانا مفتی صدرالدین آزردہ کے عزیز شاگرد اور مکتوب الیہ تھے۔ مولانا کاندھلوی کے ذخیرہ میں دستیاب آزردہ کے خطوط، تالیفات، تحریرات اور فتاویٰ کا تعارف غالب نامہ شمارۂ جنوری ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا تھا، اس وقت مکتوبات آزردہ کا متن نذر قارئین ہے۔

مولانا نورالحسن کا سنہ ۱۲۴۷ھ/۱۸۳۱ء میں مفتی صاحب سے رشتۂ تلمذ استوار ہوا نسبت تلمذ ذہنی وفکری ہم آہنگی اور قریبی تعلقات کا وسیلہ بنی، اور دونوں استاد شاگرد زندگی بھر کے لیے زنجیر محبت کے اسیر ہوگئے، رسم التفات بار بار مراسلت ومکاتبت پر مجبور کرتی، اور ایک دوسرے کے خیالات جاننے کی خلش دونوں کو بے چین کئے رہتی تھی۔

مولانا فضل حق خیرآبادی اور مولانا نورالحسن کی قلمی یادداشتوں اور خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ آزردہ اور مولانا میں سلسلۂ نام وپیام جاری رہتا تھا، یہ روابط ومراسم مولانا نورالحسن کی وفات (۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء) تک برقرار رہے، اس اڑتیس سالہ عہد ملاقات میں نہ جانے کتنے خطوط ایک دوسرے

لے مولانا نورالحسن خلف مولانا ابوالحسن بن مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، ربیع الاول ۱۲۲۷ھ/مئی ۱۸۱۲ء میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد، اور جد بزرگوار سے حاصل کی سنہ ۱۲۴۵ھ/۱۸۲۹ء میں دلی کالج

کو لکھے گئے ہوں گے۔ مگر افسوس کہ اس وقت صرف تین خط دستیاب ہیں، جو ایک مجموعۂ مکتوبات میں شامل ہیں، ممکن ہے کچھ خطوط بھی اور موجود ہوں اور آئندہ کسی وقت سامنے آئیں۔

یہ مجموعہ مکتوبات جس میں مفتی صاحب کے خطوط شامل ہیں، مولانا نور الحسن کے سب سے چھوٹے صاحبزادے مولانا ریاض الحسن محمد سلیمان کے قلم کی یادگار ہے، مولانا سلیمان کو بچپن سے علماء و مشاہیر کی تحریریں جمع کرنے کا شوق تھا، وہ مولانا نور الحسن اور اہل خاندان کے نام نامور اشخاص کے خطوط بہت اہتمام سے محفوظ رکھتے تھے، مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کچھ اہم خط خستہ و شکستہ ہو چلے تھے، اور کچھ پرزے پرزے ہو کر ضائع ہو گئے تھے، اس لیے مولانا سلیمان نے ضروری سمجھا کہ یہ نادر ورثہ کتابی صورت میں محفوظ ہو جائے، چنانچہ مولانا نے تمام خطوط یک جا نقل کر لیے، مرتب کا ارادہ تھا کہ فرصت ملنے پر ان کو دوبارہ ترتیب دیں گے[1] مگر شاید اس کا موقع نہیں آیا، اور مولانا محمد سلیمان انتقال کر گئے، ہمارے سامنے یہی اول الذکر ترتیب ہے۔

(ص سے آگے) میں نور الانور وغیرہ پڑھتے تھے، سنہ ۱۲۴۴ھ میں مفتی صدر الدین آزردہ اور مولانا خیر آبادی سے معقولات کا درس لیا، ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء میں حضرت شاہ محمد اسحٰق سے حدیث پڑھی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد گورنمنٹ کالج آگرہ میں پروفیسر شعبہ عربی مقرر ہوئے، اس عہدہ سے مستعفی ہو کر محرم ۱۲۶۲ھ/جنوری ۱۸۴۶ء میں نکوڑ ضلع سہارنپور میں قائم مقام تحصیلدار مقرر ہوئے۔ جمادی الاخری ۱۲۶۷ھ/اپریل ۱۸۵۱ء میں اس ملازمت کو ترک کیا، اور چند مہینے وطن میں گزارنے کے بعد ذی قعدہ ۱۲۶۷ھ/ستمبر ۱۸۵۱ء میں الور پہنچے، شوال ۱۲۷۳ھ/جون ۱۸۵۷ء تک الور میں قیام رہا پھر وطن آ گئے تھے، اور وفات تک یہیں مقیم رہ کر درس و افادہ میں مشغول رہے۔ ۱۱ محرم ۱۲۸۵ھ/۵ مئی ۱۸۶۸ء کو کاندھلہ میں وفات پائی متعدد تصنیفات اور مولانا کی نقل کی ہوئی پچاس سے زیادہ کتابیں یادگار ہیں۔ تصنیفات کے ضمن میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ راقم سطور نے اپنے سابقہ مضامین میں امیر شاہ خاں خورجوی (ارواح ثلثہ ص ۱۱۶ سہارنپور) کے حوالہ سے مائۃ مسائل شاہ محمد اسحٰق کو بھی مولانا نور الحسن کی تالیف لکھا ہے، مگر امیر شاہ کی وہ روایت درست نہیں ہے۔

[1] یہ معلومات مجموعہ مکتوبات کی تمہید، اور حرف آخر سے اخذ کی گئی ہیں۔

یہ مجموعہ مکتوبات مولانا محمد سلیمان کے قلم سے ½ ۳۴ ا- ½ ۲۳ سینٹی میٹر سائز کے آٹھ اوراق، پر مشتمل ہے، فی صفحہ گیارہ سطریں ہیں، کاغذ مٹیالا دبیز، اور تحریر صاف ہے۔

پیش نظر مخطوطہ تمہید اور حرف آخر کے علاوہ دو ابواب پر منقسم ہے، پہلے باب میں مولانا فضل حق خیرآبادی کے انچاس خطوط ہیں۔ ۴۸ خط مولانا نورالحسن کے نام، اور ایک خط مرزا اسفندیار بیگ دیوان ریاست الور کو تحریر ہوا ہے۔ دوسرا باب آٹھ خطوط پر مشتمل ہے، اس میں مفتی صدرالدین آزردہ، مولانا فضل عظیم خیرآبادی کے تین تین، مولانا ابوالحسن (والد ماجد مولانا نورالحسن)، اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا ایک ایک خط ہے۔ شروع کے ۳۷ اوراق باب اول کے اور آخری چودہ اوراق باب دوم کے ہیں۔

اس مجموعہ میں منقول خطوط میں صرف مفتی صاحب کے خطوط پر تاریخ تحریر درج ہے، دوسرے خطوط میں اس کا اہتمام نہیں، مرتب نے غالباً اسی کوتاہی کو بے ترتیبی سے تعبیر کیا ہے، اس مجموعہ میں کوئی اور ایسی خامی نظر نہیں آئی، جس کی وجہ سے نئی تدوین و تہذیب ضروری ہو، اگر مولانا سلیمان نے اس نقل میں خطوط کی تاریخ کن محفوظ کرلی ہوتی تو مولانا فضل حق خیرآبادی کی زندگی اور مصروفیات کا مرتب خاکہ سامنے آتا، تاہم مولانا فضل حق کے قلم سے گیارہ خطوط محفوظ ہیں، ان کی مدد سے مولانا کے سات خطوط کی تاریخ تحریر معلوم ہوئی، چار پر تاریخ درج نہیں، مولانا خیرآبادی کے اصل خطوط کے مطالعے سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ مولانا سلیمان نے نقل خطوط میں خاصی احتیاط برتی ہے،

مولانا خیرآبادی کے خطوط بڑی تعداد میں، طویل زمانہ تحریر پر مشتمل، اور کاتب کے احوال و افکار کے ترجمان ہیں، ان خطوط میں نجی حالات ص ... ظ، اہل خانہ، اولاد اور تلامذہ کے تذکرے، ذاتی مصروفیات، تدریس و تصنیف، شعر و سخن تازہ کلام، ملازمتوں کی تفصیلات، نامساعد حالات، استعفا، جدید ملازمت کی تلاش، رسائل و ذرائع کی جستجو سب کا جستہ جستہ بیان ہے، لیکن مفتی صاحب کے صرف تین خط ہیں، اور ان کا زمانہ کتابت بھی بہت طویل نہیں، اس لیے ان خطوط سے مفتی صاحب کی نسبت معلومات میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوتا، تاہم یہ مکتوبات ایک قابل قدر ورثہ اور مفتی صاحب کی فارسی نثر کا ایک قابل ذکر نمونہ ہیں۔

پیش نظر مکتوبات مفتی صاحب کے مطبوعہ خطوط سے اس لحاظ سے ممتاز ہیں کہ یہ خط سادہ و بے تکلف زبان میں قلم برداشتہ تحریر ہوئے ہیں۔ ان میں تصنع و آورد کا گزر نہیں، حالانکہ مفتی صاحب کے مطبوعہ مکتوبات اس عہد کی مقفیٰ مسجع انشا کی یادگار، اور تکلفات و لوازم سے گرانبار ہیں[1]۔

مولانا نورالحسن کے نام مفتی صاحب کا پہلا اور طویل ترین خط کچھ آپ بیتی و جگ بیتی اور ایک شرعی مسئلہ کی تحقیق پر مشتمل ہے۔ اس خط کی تحریر کے وقت مولانا نورالحسن بنی سنگھ مہاراجہ الور کے ملازم تھے۔ مولانا کو دربار کے بعض آداب کی بجا آوری خصوصاً ہولی دیوالی اور دسہرہ کے موقع پر راجہ کو نذر پیش کرنے میں تامل تھا۔ اس لیے مولانا نے اپنے دونوں استاد مفتی صاحب اور مولانا فضل حق[2] سے مشورہ اور حکم شرعی دریافت کیا۔ دونوں نے جواب سے نوازا۔ مفتی صاحب کا درج ذیل پہلا خط اسی سوال کے جواب میں ہے، مولانا خیرآبادی کے جواب میں بھی اس مسئلہ پر اظہار خیال کیا تھا، لکھتے ہیں:

"وثانیا از حال آنچہ در دسہرہ و ہولی بنظر راجہ ہا گزرانیدہ می شود استکشاف می کنند۔

شفیقا! نوکری راجگان و نصاریٰ وغیرہم از کفار متضمن التزام رسوم تعظیم ظاہری آنان است، کسے کہ نوکر آناں شد لاجرم تعظیم آنان بجا خواہد آورد، والا نوکر نہ خواہد شد، و نخواہد ماند، نمی شود کہ کسے کہ نوکر راجہ یا انگریز باشد و روبروے او بآداب مقررہ کورنش بجا نیارد۔

و در آوردن نذرے بنظر آنان در اعیاد آنان از جملہ رسوم ظاہری است،

---

[1] مثلاً ملاحظہ ہو مکتوب آزردہ

[2] مولانا فضل حق اس وقت رامپور میں تھے، جیسا کہ مولانا کے مکتوبات، اور مولانا نورالحسن کی بعض یادداشتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ رامپور سے ترک ملازمت کے بعد مولانا نورالحسن کے اصرار پر الور پہنچے تھے۔

ظاہر است کہ اہل اسلام کہ نزد آن کفار باقتضاے نوکری میروند از عظمت آنہا و تذلل خود کارہ می باشند، و ہمچنان از در آوردن زرے بنظر آنان کراہیت دارند، و ہدایا کہ اقوام کفار در اعیاد خود ہا تہادی آں معتاد اند، دیگر اند!

تہادی در آن اعیاد متضمن تعظیم آن اعیاد، و اظہار فرح و سرور از تہ دل در آن ایام است، و آں بلاشبہ شعار کفر است، ایں رسم را بر آں قیاس نتوان کرد۔

ایں است جواب اجمالی، و جواب تفصیلی انشاء اللہ العزیز بعد ازیں ارسال تواند یافت“۔[1]

ترجمہ:

اور دوسرے[2] جو دسہرہ اور ہولی میں راجاؤں کو نذر گزاری جاتی ہے، اس کے متعلق لکھتا ہوں۔

میرے عزیز! راجاؤں اور عیسائیوں وغیرہ کافروں کی نوکری میں ان کی روایات کی پابندی، اور ان کا احترام ضروری ہے۔ جو شخص ان کا ملازم ہوگا، وہ یقیناً ان سب کی پابندی کرے گا ورنہ نوکر نہیں ہوگا، اور اگر ہو گیا تو ملازمت پر نہیں رہے گا۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص راجا یا انگریز کا نوکر ہو۔ اور اس کے سامنے مقررہ آداب کی تعمیل نہ کرے۔

ان لوگوں کے تہواروں کے موقع پر نذر گزارنی دکھاوے کی رسم ہے، اور ظاہر ہے کہ جو مسلمان غیر مسلموں کے پاس ملازمت کی تلاش میں جاتے ہیں وہ

---

[1] مجموعہ مکتوبات، ورق ۲۱۔ الف۔ مکتوب بست و چہارم مکتوبہ ۲ جمادی الاخری ۱۲۷۰ھ / ۲ مارچ ۱۸۵۳ء

[2] مولانا کی اس تحریر میں کچھ باہمی ذاتی مسائل کا ذکر ہے، پھر اولاً مولانا نور الحسن کے مکتوب مورخہ ۲۲ ربیع الثانی ۱۲۷۰ھ کے جواب میں اراضی خالصہ، لاخراجی منضبط، اور اراضی معافی کا حکم شرعی مختصر تحریر ہے، ثانیاً نذر ہولی، و دسہرہ پر اظہار خیال کیا ہے۔

غیر مسلموں کے احترام پر مجبور ہوتے ہیں، اور ان کو نذرانہ پیش کرنے کو نامناسب سمجھتے ہیں غیر مسلم برادریوں میں ان کے تہواروں کے موقعوں پر جو تحفے دینا ضروری ہیں وہ اور چیز ہے۔ ان تہواروں پر تحائف کا تبادلہ ان دنوں کی عظمت اور فرحت و مسرت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور یہ بلاشبہ کافروں کا طریقہ ہے۔ راجہ کو نذر پیش کرنے کی رسم کو ان تہواروں پر قیاس نہ کرنا چاہئے۔

یہ آپ کے سوال کا اجمالی جواب ہے تفصیلی جواب خدائے عزیز نے چاہا تو اس کے بعد روانہ ہوگا۔[1]

مفتی صاحب کا دوسرا خط ۱۱ رمضان ۱۲۷۱ھ/۲۶ مئی ۱۸۵۵ء کی یادگار ہے، اس تحریر سے پادری ای ایڈمنڈ ____ کے خط کے متعلق مفتی صاحب اور دلی کالج کمیٹی کے انگریز افسران کے تاثرات سامنے آرہے ہیں، پادری ایڈمنڈ کا محولہ بالا خط جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے اہم ترین محرکات میں شمار کیا جاتا ہے[2]، اس خط کی تحریر کے وقت مولانا نور الحسن اور مولانا فضل حق خیر آبادی ریاست الور میں ملازم تھے، ان کی سرکاری ملازمتوں اور حکام رس ہونے کی وجہ سے ایڈمنڈ کی چٹھی الور بھی پہنچی تو مولانا نور الحسن نے مفتی صاحب اور اپنے احباب سے اس کی حقیقت دریافت کی، مولانا نور الحسن کی ایک یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے مفتی صاحب اور مولانا فضل عظیم کو ۲ رمضان سنہ ۱۲۷۱ھ (۱۹ مئی ۱۸۵۵ء) میں خط لکھا تھا، دونوں کے جوابات محفوظ ہیں، مفتی صاحب کا جواب آئندہ سطور میں آرہا ہے، مولانا فضل عظیم[3] کے خط میں تحریر ہے:

---

[1] یہاں موضوع زیر بحث پر مفصل تحریر کا وعدہ ہے، یہ وعدہ غالباً ایفا نہیں ہوا، مولانا کے مکتوبات میں اس عنوان پر کوئی اور تحریر دستیاب نہیں ہے۔

[2] پادری ایڈمنڈ کے خط کے متن اور تفصیلات، کے لیے ملاحظہ ہو: اسباب بغاوت ہند سر سید احمد۔ مرتبہ فوق کریمی ص۱۰ ص۱۱۱ اور ص۱۵۷ تا ص۱۶۴ (دہلی ۱۹۷۱ء)

[3] مولانا فضل عظیم برادر مولانا فضل حق خلف مولانا فضل امام خیر آبادی، والد سے تعلیم پائی۔ نکوڑ ضلع سہارنپور، اور پٹیالہ میں سرکاری عہدوں پر فائز رہے، مفصل حالات دستیاب نہیں۔ ان کی دو کتابیں وقائع کوہستان

(بقیہ حاشیہ ص۷۰ پر)

"درباب چٹھیات پادری کہ استفسار رفتہ بود صورتش این است کہ یک لفافہ چٹھی انگریزی چھاپہ از بنارس بنام من رسیدہ بود، چوں لفافہ آں را وا کردم چٹھی در چھاپہ بنامم بود، ہیچ مضمون دریافت نشد، وبر لفافہ آں نام بندہ مرقوم بود، ہمچناں آں را بصاحب کلکٹر بہادر نمایم، پرسیدم کہ ایں چیست؟ فرمودند: ایں چٹھی پادری است بکار شما نیست، آں چٹھی را گرفتہ بر میز خود نہادند، ومضمون آں معلوم نشد ظاہراً دریافت شد کہ بنام جمیع حکام اہل اسلام ہمیں چٹھیات جاری شدہ اند۔

و از افواہ شنیدہ شد کہ مضمون چٹھیات انیست کہ سرکار انگریزی بشما انواع الطاف واشفاق نمودہ بمراتب اعلیٰ رسانیدہ است، شمارا باید کہ ملت مسیحی اختیار نمائید، ہر آئینہ ظہور ایں معنی موجب بہبود و فلاح شما خواہد۔ واللہ اعلم۔

صاحب کلکٹر آں چٹھی را گرفتہ نزد خود داشتہ اند، واز مضمون آگاہ نکردند اطلاعاً بقلم آمد"[۱]

ترجمہ:

پادری کے خطوط کے متعلق جو سوال گیا تھا، اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک

(صفحہ ۶۹ سے آگے) اور کارعظیم یادگار ہیں، اول الذکر مولف کی حیات میں شائع ہو گئی تھی، مولف نے اس کا ایک نسخہ مولانا نور الحسن کو ارسال کیا تھا۔ کارعظیم کا خطی نسخہ رضا لائبریری رامپور میں ہے۔

مولانا فضل عظیم شعر و سخن کا ذوق رکھتے تھے عظیم تخلص تھا، قادر بخش صابر نے گلستان سخن (صفحہ ۲۲۰-۲۲۱ ج ۲ مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی لاہور ۱۹۶۶ء) میں اور نواب سید علی حسن خاں نے صبح گلشن (صفحہ ۲۸۸-۲۸۹ بھوپال ۱۲۹۵ھ) میں عظیم کا اجمالی تذکرہ اور نمونہ کلام درج کیا ہے۔ مولانا نور الحسن کے نام ایک خط میں بھی مولانا فضل عظیم نے اپنی دو تازہ غزلیں نقل کی ہیں۔

[۱] مجموعہ مکتوبات، مرتبہ و مکتوبہ مولانا محمد سلیمان۔ ورق ۵۴ ب۔ ۵۵ الف۔

لفافہ جس میں انگریزی میں چھپا ہوا خط تھا بنارس[1] سے میرے نام پہنچا، اس اس لفافہ کو کھولا تو اس میں میرے نام انگریزی میں خط بھی تھا، مضمون کا کچھ پتہ نہ چلا۔ لفافہ پر میرا نام لکھا ہوا تھا، میں نے اس خط کو اسی طرح کلکٹر صاحب کو دکھایا اور پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا پادری کی چٹھی ہے، تمہارے کام کی نہیں، اور اس خط کو اپنی میز پر رکھ لیا، اور اس کے مضمون سے مطلع نہیں کیا۔

عام چرچا ہے کہ تمام مسلمان افسران کے نام اسی طرح کے خطوط بھیجے گئے ہیں، اور ان کا مضمون معلوم نہیں۔ اُڑتی سی خبر یہ بھی سُنی گئی ہے کہ ان خطوط کا مضمون یہ ہے: انگریز حکومت نے تم پر عنایت و نوازش فرما کر تم کو اونچے عہدوں پر پہنچایا ہے، تم کو چاہئے کہ عیسائی مذہب قبول کر لو، یہ تبدیلی مذہب تمہاری ترقی اور خوش حالی کا ذریعہ ہوگا —— واللہ اعلم!

کلکٹر صاحب نے اس خط کو اپنے پاس رکھ لیا، اور اس کے مضمون سے آگاہ نہیں کیا۔

پیش نظر مکتوبات میں سے تیسرے اور آخری خط میں الوفا[2] فی فضائل المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہے، مولانا نورالحسن نے مفتی صاحب سے الوفا کا قلمی نسخہ یا اس کی نقل طلب کی تھی، جواب میں یہ کلمات تحریر ہوئے ہیں، جس میں اصل کتاب کی پیش کش ہے، اور نقل کے لیے ساز و سامان کے انتظام کی اطلاع بھی۔ مراسلت کے بعد اصل کتاب روانہ ہوئی یا نقل بھیجی گئی، معلوم نہیں کیا ہوا۔ مولانا نورالحسن کے مملوکہ ذخیرۂ کتب سے الوفا کے متعلق راقم سطور کو کوئی اطلاع

---

[1] سرسید کا قول ہے کہ پادری ایڈمنڈ کا خط دارالامارت کلکتہ سے بھیجا گیا ملاحظہ ہو اسباب بغاوت ہند ص۱۱ (۱۹۷۱ء دہلی)

[2] الوفا فی فضائل المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ نامور محدث و مورخ علامہ ابوالفرج جمال الدین عبدالرحمٰن بن علی بن محمد القرشی البغدادی، المعروف بابن الجوزی (ولادت ۵۰۸ھ/۱۱۱۴ء وفات ۵۹۷ھ/۱۲۰۱ء) کی مشہور تالیف ہے، دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ ابن جوزی کے حالات کے لیے رجوع فرمائیے۔ الاعلام ص۳۱۶ ج ۱۳ بیروت ۱۹۷۹ء، معجم المؤلفین، ص۱۵۷ ج ۱۵ بیروت۔ بلا سنہ)

حاصل نہیں ہوئی۔
مجموعہ مکتوبات، باب دوم کی ابتدا مفتی صدر الدین آزردہ کے مکتوبات سے ہو رہی ہے،
سرعنوان ملاحظہ ہو:

"فصل دوم در مکاتیب دیگر فضلا کرام و علما عظام، بنام حضرت والدی ماجدی مولوی محمد نور الحسن صاحب مرحوم۔

مکتوب جناب مستطاب مرجع العلما، مدار الفضلا، حضرت جناب مولوی مفتی محمد صدر الدین خان صاحب"[1]

اس کے بعد بلا کسی تمہید و تعارف مکتوبات نقل کئے گئے ہیں۔

مکتوب اول

"مولوی صاحب مشفق مہربان، جامع فضائل و مناقب سلمکم اللہ تعالیٰ۔
بعد شوق حصول لقائے بہجت افزائے صوری کہ در قالب تحریر در نیاید، واضح خاطر مودت مظاہر باد، بوصول صحیفہ دلکشا مسرت افزا بعد انقضائے مدت ممتد، و دریافت احوال فرخندہ مآل آں مرضی الخلال (؟ کذا). ذخیرہ اندوز انواع طمانیت و انشراح خاطر شدم، بادراک صحت و خیریت آں مجمع الفضائل سپاس حق سبحانہ تعالیٰ ادا کردم۔
دیر رسیدن رقائم این ہیچ در حساب کہ مرقوم خامہ وداد شدہ، (ورق ۸۸ الف)
فی الواقع کہ بسبب کثرت اشغال متنوعہ کہ بمنزلہ غیر متناہی است، و بیشتر از اں نابایست است، در استخبار و اخبار تاخیر رو دادہ، اما اخلاص و اختصاص باطنی نیازمند باین رسوم ظاہری نیست۔
قول محقق و مفتی بہ در خصوص نذر ہولی و دسہرہ وغیرہ و اعیاد ہنود بسبب خلجان و تردد، در ذہن وقاد بملاحظہ عبارت عینی شرح کنز در مسئلہ ہدایے

---

[1] مجموعہ مکتوبات۔ مرتبہ و مکتوبہ مولانا محمد سلیمان کاندھلوی۔ ورق ۸۸۔ الف۔

نیروز، کہ ازیں لطمۂ خور امواج گرداب عصیاں استفسار شدہ۔

حال این است کہ بر آں مشفق کہ بافضال الٰہی استیعاب نظر در اقوال فقہاء دارند، مخفی نیست کہ ہرگاہ زمان متاخرین از فقہاء مثل صاحب اشباہ والمثال او، زمان اجتناب از شبہات نباشد، حیث قال: لیس زماننا ذمان اجتناب الشبہات۔ [1]

وائے برحال زمانۂ ما، وخصوصا ساکنان بلاد ھند، کہ روزگار بیشتیگان ایں دیار مبتلائے (ورق ۴۸ ب) مصیبت عظمیٰ بودہ اند، چہ، اہل ممالک ایں بلاد منحصر اند در عیسائیاں ومشرکاں، واہل بدع وسواد فساق کہ ہمدوش کفار اند، معانی وعطایک قلم ضبط گردید، و تجارت بسبب فقدان مال معدوم، وکسب بضاعت بانکہ وجہ کفاف تواں شد از شرفاء دشوار جز انیکہ اہل دنیا نوکری ہمیں چہار اصناف را اختیار کنند چارہ نیست،

امر آں جامع سعادت فطری سہل وآسان است اما عقدۂ کہ در کار ما افتد عسیر الانحلال۔

اے خانہ خراب نامسلماں شرمے　　اے خاک در درگہ گبراں شرمے

عمرت بعبث گزشت تاکے (کذا)　　شرمے شرمے کہ رفت ایماں شرمے

وجہ ایں سہولت وآسانی کار نیک انجام آں مقبول کرام بمعرض تحریر آرم، کہ اکابر واعاظم علمائے حنفیہ اتفاق دارند بر ینکہ در فتاویٰ عامہ (ورق ۴۹ الف) وشروح متعارفہ متون کہ توسیع در باب کفر بکار بردہ اند، اصح ومفتی بہ نیست حکم بکفر کسے از اہل ایمان واسلام تا وقتیکہ منقول بنقل صحیح از ائمۂ مجتہدین نباشد، تنوانند کرد، وآنچہ در فتاوی است یا محمول بر تہدید وتغلیظ است یا ماول است، چنانکہ

---

[1] الاشباہ والنظائر۔ علامہ زین الدین ابراہیم بن محمد، معروف بابن نجیم ص ۲۸۶ (بیروت ۱۴۰۰ھ)

احادیث را کہ در حق اہل کبائر وارد شدہ علمائے اہل سنت تاویل کنند۔

فی الاشباہ نقلا عن الصغریٰ: الکفر شئی عظیم فلا اجعل المؤمن کافرا متی وجدت روایۃ انہ لا یکفر۔[1]

فی البحر: ولو کانت تلک الروایۃ ضعیفۃ انتہی۔[2]

ولا یکفر احد من اہل القبلۃ الا بجحود ما ادخل فیہ و حاصل ما ذکرہ اصحابنا فی الفتاویٰ ان التکفیر یرجع الی ما ذکرنا۔ کذا قال صاحب بحر الرائق[3]

وقال ابن الھمام: یقع فی کلام اہل المذہب تکفیر کثیر لکن لیس من کلام الفقہاء الذین ہم المجتہدون بل غیرھم۔ (ورق ۹۴ ب) ولا عبرۃ لغیر الفقہاء۔[4]

فی البحر: فعلی ھذا فاکثر الفاظ التکفیرۃ المذکورۃ فی کتب الفتاویٰ لا یفتی بھا۔ قال المحقق ابن الھمام وقد الزمت نفسی ان لا افتی لشئی منھا۔ انتہی۔[5]

---

[1] الاشباہ والنظائر۔ علامہ زین الدین ابراہیم بن محمد، معروف با بن نجیم ص ۱۸۹

[2] البحر الرائق شرح کنز الدقائق۔ زین الدین ابن نجیم۔ ص ۱۳۵ ج ۵ (بیروت۔ بلا سنہ) (بیروت ۲۰۰۰ء)

[3] مفتی صاحب نے اس عبارت کے لیے بحر الرائق کا حوالہ درج کیا ہے، مگر راقم سطور کو یہ عبارت بحر الرائق میں متوقع مقامات پر نہیں ملی، بحر کا حوالہ غالباً سہو القلم ہے۔ یہ عبارت الاشباہ والنظائر کی ہے، ملاحظہ ہو ص ۱۹۰۔

[4] البحر الرائق ص ۱۵۱ ج ۵۔ باب البغاۃ۔

[5] البحر الرائق ص ۱۳۵ ج ۵۔ باب احکام المرتدین یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مفتی صاحب نے زیر نظر تحریر میں فقہی کتابوں سے کہیں پوری عبارت نقل کی ہے، کہیں اقتباسات متفرق کو مسلسل عبارت کے طور پر پیش کیا ہے، نیز مفتی صاحب کی نقل کی ہوئی عبارات اور ان کتابوں کے مطبوعہ متون میں پوری طرح مطابقت بھی نہیں ہے، تاہم راقم سطور نے مفتی صاحب کے الفاظ کو جوں کا توں رکھا ہے، اور اختلافات کی وضاحت کی ضرورت نہیں سمجھی۔

قال السید الحموی شارح الاشباہ : والحق ان ماصح عن المجتہدین فہو علی حقیقتہ واما ماثبت عن غیرہم فلا یفتی بہ فی غیر التکفیر، انتہی۔ [1]

درشرح فقہ اکبر از ملا علی قاری است :

ما نقل فی کتب الفتاویٰ مع جہالۃ قائلہ وعدم اظہار دلائلہ لیس بحجۃ من ناقلہ ، اذ مدار الاعتقاد فی المسائل علی الادلۃ القطعیۃ۔ انما ذکرہ بناء علی الامور التہدیدیۃ والتغلیطیۃ۔ انتہی۔ [2]

بعد تمہید ایں مقدمات گویم کہ آنچہ در بعضے شروح وفتاویٰ کفر مہدی ہدیہ لاہل الشرک در نیروز آوردہ ، انداز ہمیں وادی است کہ مذکور شد، وقطع نظر ازاں دریں روایات مصرح است کہ کفر مہدی درحال (ورق ۵۔ الف) اعتقاد او بعظمت وبزرگی ایں روز است فی الفتاویٰ الصغریٰ :۔

من اہدی یوم النیروز الی انسان شیئا واراد بہ تعظیم النیروز کفر۔ وعن ابی حفص الکبیر من اہدی الی بعض المشرکین ہدیۃ فی یوم النیروز، یرید تعظیم ذالک الیوم۔ کما یعظم المشرکون، فقد کفر باللہ العظیم۔

فی فتاوی قاضی خاں : ان اہدی الی یوم النیروز الی انسان شئیا ولم یرد تعظیم الیوم وانما فعل ذالک بناء علی عادۃ الناس لایکون کفرا۔ واذ اتخذ المجوسی دعوۃ طلق راس ولدہ وجز ناصیتہ۔ فاجاب مسلم وحضر خونہ

---

[1] حموی شرح الاشباہ والنظائر۔ ص ۲۶۰ ۔

[2] شرح فقہ اکبر، علامہ ملا علی قاری ۔ ص ۸۶ (حنفی دہلی ۱۲۶۹ھ)

لایکون کفرا، والاولی ان لایفعل ولایوافقھم علی ذالک۔
انتھی۔ [1]

پس رسم نذر ہولی و دسہرہ یا آنکہ اعیاد از شعار ہنود، بحکم بید و شاستر نیست بلکہ رسمے است از رسوم راجپوتان ہند، نیز اگر داخل ہمیں ہدایا باشد ظاہر است کہ پیش کردن مسلمانے (ورق ۵۰ ب) دراں روز ایں نذر را باعتقاد و تعظیم و تبجیل و بزرگی آں روز نیست، بلکہ حسب رسم عادت است کہ دراں روز توابع با متبوع خود ایں معاملہ کنند، اگر توابع از قوم ہنود باشند، آنگاہ ایں فعل اگر با اعتقاد تعظیم آں روز از ایشاں بوجود آید، بعید نیست! داگر از اہل اسلام اند یارائے احسان محض متصور خواہد شد، و تبجیل کافر تعظیما کفر است:

لاحسانہ قالوا تبجیل الکافر کفر۔ قال السید الحموی
یجب تقییدہ بان یکون تعظیما لکفرہ والایکون لاحسانہ
للمسلمین اوللمعظم۔ انتھی۔ [2]

مگر در کراہیت آں شک نیست۔ این است آنچہ در خاطر فاتر ایں حقیر کثیر التقصیر بعد تتبع مسائل اصلیہ اعتقادیہ و مسائل فقہیہ گزشت۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مدام تحریرہ مراسلات خیریت معرفت خواجہ برکت اللہ صاحب کہ خانۂ ایشاں متصل (ورق ۵۱۔ الف) کچہری است، مسرور و محبور میفرمودہ باشند۔ والسلام"

۱۶ رشعبان ۱۲۷۰ھ/(۱۴ رمئی ۱۸۵۴ء) [3]

ترجمہ:

مشفق و مہربان، فضائل اور خوبیوں کے جامع، مولوی صاحب! اللہ تعالیٰ آپ کو

---

[1] فتاویٰ قاضی خاں، علامہ فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی معروف بقاضی خاں ص ۴۷ (مصطفائی کانپور۔ ۱۳۱۰ھ)

[2] الاشباہ والنظائر ص ۱۸۹۔ حموی شرح الاشباہ والنظائر ص ۲۶۰۔

[3] مجموعہ مکتوبات مرتبہ و مکتوبہ مولانا محمد سلیمان کاندھلوی الف تا ۵۱۔ الف

سلامت رکھے۔

بعد اظہار شوق ملاقات جو تحریر میں نہیں آسکتا، واضح ہو کہ عرصہ دراز کے بعد آپ کا دل خوش کرنے والا پر مسرت خط ملا۔ آں عزیز سعید کے حالات معلوم ہو کر دل کو سکون و اطمینان حاصل ہوا۔ اور ان جامع فضایل کی صحت و عافیت کی اطلاع پر شکر الٰہی بجالایا۔

آپ نے مجھ ناچیز کے خطوط دیر سے پہنچنے کا ذکر کیا ہے، درحقیقت یہ تاخیر میری گوناگوں اور ختم نہ ہونے والی مصروفیت کی وجہ سے ہے۔ اور ان میں سے بہت سی ایسی ہیں کہ ان کی وجہ سے خیریت معلوم کرنے اور لکھنے میں توقف ایک قابل قبول عذر ہے۔ مگر میرے اور آپ کے دلی روابط اور تعلقات ان ظاہری تکلفات کے پابند نہیں۔

غیر مسلموں کے سالانہ جشن اور خوشی کے موقعوں خصوصاً ہولی اور دسہرہ پر نذر گزارنے اور غیر مسلم دوستوں کو تحفے پیش کرنے کی نسبت عینی شرح کنز کی ایک عبارت سے آپ کو جو فکر لاحق ہوئی ہے، اور آپ نے اس مسئلہ میں مجھ ناچیز گنہگار سے قول فیصل اور فتوی پوچھا ہے واقعہ یہ ہے کہ ـــــ خود آں عزیز سے جو خدا کے فضل و کرم سے فقہاء کے اقوال میں گہری بصیرت رکھتے ہیں، یہ بات چھپی ہوئی نہیں ہے کہ ـــــ آخری دور کے علمار فقہ یعنی مولف اشباہ و نظائر، اور ان کے ہم عصر علمار کا عہد مشکوک چیزوں سے بچنے کا نہیں تھا مولف اشباہ نے لکھا ہے:

"ہمارا زمانہ شبہات سے بچنے کا نہیں ہے"۔

افسوس ہے ہمارے زمانے پر، خصوصاً ہندوستان کے رہنے والوں پر، یہاں کے نوکری پیشہ اشخاص سخت مصیبت میں مبتلا ہیں، کیوں کہ یہاں کے عہدہ دار اور حکام عیسائی اور مشرک ہیں، یا گمراہ بدکردار اور اہل غرض اشخاص جو معاملات میں عیسائیوں اور مشرکین کی طرح ہیں۔ معافی کی جاگیر، اور وظیفے سب ضبط ہو گئے ہیں، سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے تجارت ختم ہو گئی، اور محنت مزدوری جس سے ضروریات بھی پوری نہیں ہوتی شرفا کے لیے بہت مشکل ہے۔ اور اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں کہ ضرورت مند مذکورہ چار طرح

کے لوگوں میں سے کسی کی ملازمت کریں ___

جامع کمالات! آپ کا کام سہل اور آسان ہے۔ مگر ہمارے معاملات میں جو دقتیں ہیں ان کا حل ہونا ممکن نہیں :-

اے خانہ خراب نامسلماں شرم کا مقام ہے،
اے بت خانوں کے دروازے کی گرد، شرم کر،
تیری تمام عمر بے مقصد گزر گئی۔ آخر کب تک ؟
شرم کر شرم، دین و ایمان برباد ہو گئے شرم!

آپ کے کام میں سہولت و آسانی کی وجہ لکھتا ہوں۔ ممتاز اور نامور حنفی علمار کا اس پر اتفاق ہے کہ مسائل کی عام کتابوں اور مشہور فقہی کتابوں کی شرحوں میں کفر کا حکم دینے میں جو وسعت کی گئی ہے وہ صحیح اور آخری فیصلہ نہیں، صحیح یہ ہے کہ اہل ایمان میں سے کسی شخص کے کفر کا فتویٰ اس وقت تک نہیں دینا چاہیئے، جب تک کہ اس کے متعلق ائمہ مجتہدین سے کوئی صحیح روایت منقول نہ ہو، اور اس موضوع پر فقہ کی کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے وہ یا تو اس سے احتیاط اور ڈرانے کے لیے ہے۔ یا اس کی تاویل کی جاتی ہے جس طرح علمار اہلِ سنت ان احادیث کی تاویل کرتے ہیں جو گناہ کبیرہ کرنے والوں کے متعلق وارد ہیں۔ اشباہ میں صغریٰ سے نقل کیا گیا ہے :-

کفر بڑی سخت چیز ہے۔ اس لیے کسی مسلمان کو اس وقت تک اسلام سے خارج نہیں کیا جائے گا، جب تک ایک روایت بھی ایسی موجود ہو کہ اس نے کفر کا ارتکاب نہیں کیا۔

بحر الرائق میں ہے: چاہے یہ روایت ضعیف ہی ہو۔

اور اہل قبلہ میں سے کسی کے کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا، مگر اسلام سے صاف انکار پر اور کسی ایسے کام پر جو صاف طور پر انکار کے مترادف ہو، اور ہمارے علمار نے جو کچھ کہا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کفر کا فتویٰ کبھی فتویٰ دینے والے کی طرف بھی لوٹ جاتا ہے۔ یہی مولف بحر الرائق

نے کہا ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں : اہل مذہب کے کلام میں بہت سی باتوں پر کفر کا فتویٰ دیا گیا ہے، لیکن وہ بیانات ان علمائے شریعت کے نہیں ہیں جن کو شرعی مسائل میں اجتہاد کا درجہ حاصل ہے، درحقیقت یہ غیر مجتہد علماء کے اقوال ہیں، اور اس معاملے میں دوسرے درجہ کے علماء کے بیانات قابل اعتبار نہیں۔

بحر الرائق میں ہے : یہی وجہ ہے کہ بہت سے کلمات کفر جو فقہ کی کتابوں میں ذکر کیے گئے ہیں۔ ان کی وجہ سے کسی مسلمان کے کفر کا فتویٰ جاری نہیں کیا جائے گا ۔ محقق ابن ہمام کا قول ہے : 'میں نے یہ بات اپنے اوپر لازم کرلی ہے۔ کہ ان فقہی تصریحات میں سے کسی قول پر کفر کا فتویٰ نہیں دوں گا' سید حموی شارح اشباہ ونظائر کا قول ہے : 'اور حق یہ ہے کہ کفر کا فیصلہ کرنے میں علمائے مجتہدین سے جو ثابت ہے، وہی حق ہے، ان کے علاوہ دوسرے لوگوں سے جو کچھ روایت کیا گیا ہے اس کی وجہ سے کسی کے کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا'

ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر میں ہے :۔

'فقہ کی کتابوں میں جو نقل کیا گیا ہے۔ قائل کے تعارف اور بغیر اس کے دلائل کو ظاہر کئے، وہ اس نقل کرنے والے کی طرف سے مضبوط دلیل نہیں' کیونکہ مسائل دینیہ میں اعتقاد کا دار و مدار یقینی دلائل پر ہے۔ اور اس طرح کی جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں، وہ ایسی کفریہ باتوں سے ڈرانے اور احتیاط کی وجہ سے ہے۔

ان بنیادی اصول کے بعد کہتا ہوں کہ بعض شروح اور فتاوی کی کتابوں میں نوروز کے موقع پر غیر مسلموں کو تحفہ دینے والے کے کافر ہونے کا حکم دیا گیا ہے، وہ بھی اسی نوع سے ہے جو ذکر کی گئی، اور اس سے قطع نظر ان روایات میں وضاحت ہے کہ اس ہدیہ دینے والے

کے کفر کا فتویٰ اس وقت ہے۔ جب اس دن کے باعظمت و بابرکت ہونے کا یقین رکھتا ہو۔

فتاویٰ صغریٰ میں ہے :۔

"جس نے نوروز کے دن کسی شخص کو کوئی چیز تحفۃً پیش کی، اور اس تحفہ سے اس دن کی عظمت و اہمیت کا اعتراف مقصود ہے تو وہ تحفہ دینے والا دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔"

اور ابوحفص کبیر سے نقل کیا گیا ہے: "اگر کسی مسلمان نے نوروز کے موقع پر غیر مسلموں کو کوئی تحفہ پیش کیا، اور اس تحفہ سے اس دن کی عظمت و احترام کا ایسا خیال دل میں لایا جس طرح کافر اور مشرک اس کی تعظیم کرتے ہیں تو اس نے درحقیقت اللہ کا انکار کیا۔"

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے :۔

"اگر نوروز کے دن کسی شخص کو کوئی تحفہ دیا اور اس تحفہ سے اس دن کی عظمت و احترام کی نیت نہیں ہے، بلکہ عام رواج کی وجہ سے دیا ہے تو وہ تحفہ دینے والا کافر نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی پارسی نے اپنے بچے کے سر منڈانے یا نام رکھنے کی تقریب میں کسی مسلمان کو بلایا، اور وہ مسلمان اس میں چلا گیا۔ تو یہ کافرانہ عمل نہیں ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ ایسی مجلسوں میں شریک نہ ہو، اور ان معاملات میں غیر مسلموں کے نقش قدم پر نہ چلے۔"

اگرچہ ہولی اور دسہرہ اور دوسرے تہواروں کے موقع پر نذر پیش کرنا ہندوؤں کا مذہبی فریضہ اور وید شاستر کے حکم سے نہیں ہے، بلکہ راجپوتانہ کے ہندوؤں کی رسومات میں سے ایک رسم ہے، اور اگر مذہب کی رو سے یہ نذر بھی ان تحفے تحائف میں شمار کی جائے، تو ظاہر ہے کہ کسی مسلمان کا اس دن یہ نذر پیش کرنا اس دن کی بزرگی و برتری اور اس کی اہمیت کے عقیدہ کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ عام دستور کے سبب ہے، کیونکہ ماتحت اپنے افسران کے ساتھ یہی معاملہ کرتے ہیں۔ اگر ماتحت غیر مسلم ہوں اور وہ اس دن کی عظمت و احترام کے

خیال سے نذر پیش کریں تو تعجب نہیں ، اور اگر نذرانہ پیش کرنے والے مسلمان ہوں، تو اس نذر سے اپنے محسن کی شکرگزاری کی نیت ہوتی ہے —— اور کافر کا احترام اس کے کفریہ عقیدہ کی وجہ سے کفر ہے :۔

'اس کے احسان کی وجہ سے کہا ہے کہ کافر کی تعظیم کفر ہے'۔

سید حموی کا قول ہے : 'یہ شرط ضروری ہے کہ اس شخص کی تعظیم اس کے کافر ہونے کی وجہ سے کی جائے ۔ یا یہ تعظیم اس شخص کے مسلمانوں پر احسانات یا اس کے عالی مرتبہ اور باحیثیت ہونے کی وجہ سے ہو —— تو یہ مسلمان تعظیم کرنے والا کافر نہیں ہوگا'۔

مگر اس کے ناپسندیدہ ہونے میں شک نہیں ۔

یہ مجھ ناچیز کی رائے کا حاصل ہے ، جو عقاید کے بنیادی مباحث ، اور فقہی مسائل کی تحقیق اور وسیع مطالعہ و جستجو پر مبنی ہے ۔

امید کہ آپ خیریت کے خطوط سے خواجہ برکت اللہ کی معرفت جن کا گھر کچہری کے قریب ہے ، مسرور و شادماں کرتے رہیں گے ۔ والسلام

۱۶ شعبان سنہ ۱۲۷۰ھ / ۱۴ مئی ۱۸۵۴ء

مکتوب دوم

مولوی صاحب مشفق و مہربان جامع فضائل و مناقب سلمکم اللہ تعالیٰ بعد اشتیاق ملاقات فرحت آیات کہ زیادہ از حد است ، واضح خاطر محبت مظاہر باد ، صحیفہ مودت طراز موالفت مشحون در حینے کہ خاطر فاترم بعدم دریافت صحت و خیریت آں جامع فضائل تعلق ہا داشت ، وصول مسرت آوردہ موجب انشراح و ارتباح باطن و ظاہر گردید ۔

فی الواقع کہ بسبب قیام برادرم سید احمد خاں بدھلی دریافت حال جانبین می شد ، از روزے کہ ماموری شاں بہ بجنور شدہ ایں سلسلہ منقطع است ، مگر الحمد للہ کہ الحال سر رشتہ ڈاک انگریزی در ہر علاقہ جاری است ، چنانچہ مودت صحیفہ آں ازورق ۱۵ ب ، مشفق ہم کہ

ٹکٹ بر لفافہ آں نصب بود، معرفت ہمیں ڈاک رسیدہ، اگر گاہ گاہ طریقہ ارسال مکاتبات معرفت ہمیں ڈاک مسلوک باشد بعید از اتحاد قدیم نخواہد شد۔

سید احمد خاں صاحب در عشرۂ اول رمضان المبارک کہ بحسب اتفاق تعطیل سہ چہار روز متصل واقع شدہ بود بر سبیل ڈاک بخانہ خود رسیدند و بملاقات خود مسرور کردند۔ مگر بتقریب نکاح دختر برادر کلاں خود کہ بضرورت دریں روزہا شدہ، و عدم شمول بعض اقربا دریں محفل از جہت بعض واقعات حظے از قیام نہ برداشتند و بعجلت روانہ بجنور شدند۔ اللہ تعالیٰ اوشاں را موقر و محترم و از شر مردم آں ضلع کہ اکثر اشرار اند در حفظ و حمایت خود دارد۔

دچھٹی پادریان کلکتہ کہ صرف در آں تحریر دلائل بر حقیقت مذہب عیسوی بود، وبس! (ورق ۵۲۔ الف) و دلائل ہم ہمیں دلائل مٹیا پچوساں، بنام راقم آثم رسیدہ، چٹھی مذکور را در جلسہ کمیٹی مدرسہ کہ جمیع حکام زر آنجا بودند، پیش کردم، جملہ حکام بعد خواندن گفتند کہ ایں خرافات پادریاں است تحریر جواب ضرورت ندارد، بایماء و اشارہ اہالیان سرکار ہرگز نبودہ است، بعد مراجعت از کمیٹی ہیچ اعتنائے باں نرفت، و آں کاغذ صرف کاغذ نوتیا شد زیادہ بجز آرزو بہ دیدہا چہ نونیسم۔ والسلام [1]

یازدہم رمضان المبارک سنہ ۱۲۷۱ھ / ۲۸ مئی ۱۸۵۵ء

ترجمہ :۔

مشفق و مہربان۔ فضائل اور خوبیوں کے مجموعے جناب مولوی صاحب، اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔

آپ سے ملاقات کے حد سے زیادہ اظہار اشتیاق کے بعد جناب والا کو معلوم ہو کہ آپ کا پُر خلوص و محبت بھرا مکتوب ایسے وقت ملا۔ جب آپ کی خیریت و عافیت کا بڑا انتظار تھا۔ اس خط نے بے حد مسرور کیا، اور طبیعت میں نشاط و شادمانی کی لہر دوڑا دی۔

واقعہ یہ ہے کہ ہمارے بھائی سید احمد خاں کے دہلی میں رہنے کی وجہ سے دونوں کو

۱ے مجموعہ مکتوبات مرتبہ و مکتوبہ مولانا محمد سلیمان۔ ورق ۵۱ ب۔ تا ۵۲ ب۔

ایک دوسرے کا حال معلوم رہتا تھا، جس دن سے ان کا تقرر بجنور[1] میں ہوا ہے، یہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ مگر الحمد للہ آج کل ہر علاقہ میں انگریزی ڈاک کا سلسلہ جاری ہے، چنانچہ آں عزیز کا خط جس کے لفافہ پر ٹکٹ لگا ہوا تھا[2] اسی ڈاک کے ذریعہ پہنچا۔ اگر کبھی کبھی اسی طرح خطوط ارسال کرتے رہیں تو دیرینہ تعلقات سے بعید نہ ہوگا۔

سید احمد خاں صاحب رمضان کے پہلے عشرہ میں، جس میں اتفاق سے تین چار دن کی چھٹیاں ساتھ پڑ گئی تھیں، ڈاک گاڑی سے اپنے گھر پہنچے، اور مجھے اپنی ملاقات سے مسرت بخشی۔ مگر اپنے مرحوم بڑے بھائی کی[3] لڑکی[4] کی تقریب نکاح کی وجہ سے، جو خاص وجہ

---

[1] سرسید احمد ربیع الثانی ۱۲۷۱ھ/۱۳ جنوری ۱۸۵۵ء کو بجنور میں صدر امین مقرر ہوئے۔

[2] مولانا نور الحسن کی یادداشت میں خطوط مکتوبہ ۲ رمضان ۱۲۷۱ھ کے اندراج کے ساتھ جس میں مفتی صاحب کے نام محولہ بالا خط کا حوالہ بھی ہے، تحریر ہے: محصول رادہ شد۔

[3] سرسید کے بڑے بھائی، مولوی سید محمد خلف سید محمد متقی دہلوی۔ ۱۸۱۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے، سید احمد کے ساتھ منصفی کا امتحان دیا، مگر ناکام رہے، دوبارہ امتحان دیا اور کامیاب ہوئے، اور ضلع فتحپور میں منصف مقرر ہوئے۔ زندہ دل، شگفتہ مزاج، اور آزادانہ وضع رکھتے تھے مگر آخر میں نہایت دیندار اور باخدا ہو گئے تھے۔ ۱۳۔ ذی الحجہ سنہ ۱۲۶۱ھ ۱۸۴۵ء میں وفات پائی، درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں دفن ہوئے۔ آزردہ نے تعزیتی خط میں لکھا:

قسمت نگر کہ کشتۂ شمشیر عشق یافت مرگے کہ زندگی بدعا آرزو کند

مولوی سید محمد نے ۱۸۳۷ء میں دہلی سے سید الاخبار جاری کیا، مولوی سید سرکاری ملازم تھے، اس لیے اخبار کا اہتمام سید عبدالغفور کے سپرد تھا۔ سید الاخبار بقول محمد عتیق صدیقی ۱۸۴۸ء تک اردو اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، ص ۲۷، علی گڑھ، ۱۹۵۷ء) اور بقول امداد صابری ۱۸۵۰ء تک جاری رہا (تاریخ صحافت اردو، ص ۲۲۴ ج ا طبع اول)۔ مگر مولوی سید محمد کو اردو تاریخ و ادب میں شہرت اور بقائے دوام ان کے مطبع کے ذریعہ حاصل ہوئی۔ جو لیتھوگرافک پریس کے نام سے شروع ہوا تھا، اور ربیع الاول ۱۲۵۹ھ/اپریل ۱۸۴۲ء کے بعد کچھ دن تک مطبع سید محمد خاں بہادر کے نام سے کام کرتا رہا۔ (باقی ص ۸۵ پر)

[4]

کی بنا پر ان دنوں ہوئی تھی، اور اس محفل میں بعض عزیزوں کے شریک ہونے، نیز کچھ اور واقعات کے سبب سے اس چھٹی اور قیام سے لطف اندوز نہیں ہو سکے اور جلد ہی بجنور چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو عزت واحترام سے رکھے، اور ضلع کے لوگوں کے شر سے جن میں اکثر شریر ہیں[1] محفوظ رکھے۔

کلکتہ کے پادریوں کی چٹھی[2] میں صرف عیسائی مذہب کی حقانیت پر دلائل تھے، اور بس! اور دلائل بھی لچر اور پوچ، یہ چٹھی میرے نام بھی آئی تھی، میں نے اس کو مدرسہ کی مجلس انتظامیہ[3] میں، جس میں تمام حکام موجود تھے، پیش کیا۔ تمام افسران نے اس کو پڑھا اور کہا: یہ پادریوں کی خرافات ہیں، اس تحریر کے جواب کی ضرورت نہیں، اور یہ تحریر

(ص۸۳ سے آگے) آخر میں سید الاخبار کے عنوان سے مشہور ہوا۔ لیتھوگرافک پریس نے دیوان غالب، حدائق البلاغت صہبائی، جلاء القلوب بذکر المحبوب سرسید کے پہلے اڈیشن شائع کئے۔ مطبع سید محمد خاں بہادر سے جواہر ریزہ صہبائی طبع ہوا۔ اور سید الاخبار پریس سے آثار الصنادید سرسید احمد، اور صحیح بخاری تصحیح وحواشی مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے اولین اڈیشن نکلے۔

۴؎ مولوی سید محمد کی یہ   ، نصیرہ بیگم زوجہ محمد میر بادشاہ ہیں، ان کی وفات جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۳۵ھ/مارچ سنہ ۱۹۱۷ء میں ہوئی، احاطہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں دفن ہوئے، سنگ مزار نصب ہے۔ رجوع فرمایئے: واقعات دارالحکومت دہلی، مولوی بشیر الدین احمد دہلوی۔ ص۵۲ ج ۲۔ (آگرہ۔ ۱۹۱۹ء)۔

۱؎ اہل بجنور سے معذرت کے ساتھ —— دلی والے اہل بجنور کے متعلق عموماً اچھی رائے نہیں رکھتے تھے، سرسید احمد نے بھی اہل بجنور کے لیے بہت سخت کلمات استعمال کیے ہیں جس میں بعض صاف طور پر دشنام کے مترادف ہیں۔ ملاحظہ ہو: سرکشی ضلع بجنور، سرسید احمد، مرتبہ شرافت حسین مرزا، ص۷۵ (دہلی ۱۹۶۴ء)

۲؎ پادری ایڈمنڈ کی چٹھی کی تفصیل کے لیے اسباب بغاوت ہند، سرسید احمد، ص۱۵۱ ملاحظہ ہو۔

۳؎ مدرسہ دہلی سے دلی کالج مراد ہے، مفتی صاحب کالج کمیٹی کے رکن، اور کالج کے ممتحن بھی تھے، تفصیلات کے لیے دیکھیے: مرحوم دلی کالج۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق۔ ص۵۲ ص۵۳ ص۱۱۱ سنہ ۱۹۲۳ (کراچی)

سرکار کے حکم یا اس کے ایماو اشارہ سے ہرگز نہیں ہے۔ اس لیے کمیٹی کے اجلاس سے واپس آنے کے بعد اس تحریک کی طرف خیال بھی نہیں گیا، اور وہ کاغذ ردّی میں ضائع ہوا۔

اس سے زیادہ آپ سے ملاقات کی تمنا کے علاوہ اور کیا لکھوں۔ والسلام

۱۱ رمضان مبارک سنہ ۱۲۷۱ھ / ۲۸ مئی ۱۸۵۵ء

مکتوب سوم

مولوی صاحب مشفق و مہربان جامع فضائل و مناقب سلمکم اللہ تعالیٰ بعد طے مراحل اشواق و اشتیاق مشہود خاطر ذخائر میگرداند، در نزدیکی ایں روزہا مراسلہ مودت طراز متضمن طلب وفائے ابن جوزی یا نقل آں (ورق ۵۲) از کاتب صحیح نویس وصول آورد، مورث خرمی ہائے بے پایاں شدہ بود، اگرچہ ایں کتاب نادر الوجود است لیکن بلحاظ اینکہ از آں جامع فضائل عزیز تر نیست، خواستم کہ بجنسہ کتاب مذکور ہمراہ برادر صاحب والا شان سید احمد خاں روزانہ خدمت شریف کنم، چنانچہ در بارچہائے چند متلفف شدہ رو بروئے سید صاحب آوردہ شد، گفتند کہ بعد نماز جمعہ بر نہج مصحف مجید علاقہ، آنرا در گردن خود آویختہ خواہم برد۔ لیکن بضرورت روانگی ایشاں بمراد آباد دفعۃً قرار یافت، ازیں رہگزر روانگی آں ملتوی ماندہ۔

چوں آں جامع مناقب برائے نقل آں نیز مرقوم نمودہ بودند، و مشفقی مولوی امام بخش صاحب یک کاتب صحیح نویس و خوشنویس پیدا کردہ اند۔ شروع نقل آں موقوف براجازت آں مشفق است، و اصل کتاب ہم حاضر! مگر طریق وصول آں منحصر در سہ طریق است یا خود بیارم، و یا مثل سید احمد خاں در آنجا (ورق ۵۳۔ الف) رسانند، و یا بلاواسطہ بآں جامع محاسن بسپارم، دریں خصوص آنچہ ایما شود مطابق آں بعمل آید۔

زیادہ بجز آرزوئے حصول ملاقات صوری دائمی کہ از سترگ ترین آرزوہائے ایں ناکام است چہ برطرازم۔؟ والسلام

بست و پنجم صفر سنہ ۱۲۷۲ھ / ۶ نومبر ۱۸۵۵ء

ترجمہ :-

مشفق و مہربان۔ فضائل اور خوبیوں کے جامع، مولوی صاحب۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔

شوق ملاقات اور تمنائے دید کے بعد معلوم ہو کہ حال میں آپ کا خط ملا، جو بے پناہ مسرت کا پیام لایا۔ آپ نے وفار ابن جوزی[1] کا میرا ذاتی نسخہ، یا صحیح لکھنے والے کاتب کے قلم سے اس کی نقل منگوائی ہے۔ اگرچہ یہ کتاب بہت نادر ہے مگر تم جامع کمالات سے عزیز نہیں۔ میں نے چاہا تھا کہ کتاب کا اصل نسخہ محترم بھائی سید احمد خاں کے ذریعہ آپ کی خدمت میں روانہ کر دوں۔ چنانچہ بہت سے کپڑوں میں لپیٹ کر سید احمد صاحب کے سامنے لایا گیا۔ سید صاحب کہتے تھے کہ جمعہ کی نماز کے بعد قرآن شریف کی طرح اس کا تسمہ گلے میں ڈال کر لے جاؤں گا، مگر کسی ضرورت کی وجہ سے ان کا اچانک مراد آباد جانا تجویز ہوا، اور اس راستہ سے جانا ملتوی ہو گیا۔

آپ نے اس کی نقل کے لیے بھی لکھا تھا، اور میرے کرمفرما مولوی امام بخش صاحب[2]

---

[1] الوفا فی فضائل المصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔ علامہ ابن جوزی کی تالیف ہے، گزشتہ حواشی میں تعارف گزر چکا ہے۔

[2] مولانا امام بخش صہبائی، بن مولوی محمد بخش فاروقی تھانیسری۔ تقریباً سنہ ۱۲۲۱ھ میں ولادت ہوئی، عبداللہ خاں علوی سے تعلیم حاصل کی۔ فارسی کے بڑے عالم اور محقق تھے، تحقیق لغات، فن عروض، اور حل معما میں بے مثال تھے۔ ۱۸۴۰ء میں چالیس روپے مہینہ پر دلی کالج میں مدرس ہوئے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں گورے سپاہیوں کے ہاتھوں جرم بے گناہی میں شہید ہوئے، مدفن نامعلوم ہے۔

آزردہ نے شہادت صہبائی پر لکھا : کیوں کے آزردہ نکل جائے نہ سودائی ہو

قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائی ہو

صہبائی فارسی کے بلند پایہ نثر نگار اور شاعر تھے، متعدد تالیفات یادگار ہیں۔ شمس الدین فقیر کی حدائق البلاغت کا اردو ترجمہ صہبائی کا مشہور کارنامہ ہے، دیگر تالیفات میں انتخاب رباعی ...

نے صحیح اور عمدہ لکھنے والا کاتب معلوم کر لیا ہے، مگر نقل کا کام آپ کی اجازت پر موقوف ہے۔ اور اصل کتاب بھی حاضر ہے، مگر اس کے آپ تک پہنچنے کے لیے تین صورتوں میں سے ایک ضروری ہے۔ یا میں لاؤں، یا سید احمد جیسا کوئی شخص آپ تک پہنچائے، یا بلا کسی واسطہ کے خود آپ کے سپرد کر دوں۔ اس میں آپ کی جو رائے ہو عمل کیا جائے۔

ختم نہ ہونے والی ملاقات کی تمنا کے سوا جو اس ناکام زندگی کی عزیز ترین آرزو ہے، اور کیا لکھوں۔؟

والسلام

۲۵ صفر سنہ ۱۲۷۲ھ / ۶ نومبر سنہ ۱۸۵۵ء

مولانا نور الحسن کے ذخیرہ میں دستیاب مفتی صاحب کی تالیفات و تحریرات کا تعارف، اور مکتوبات آزردہ کا متن نذر قارئین ہوا۔ آخر میں مفتی صاحب کی تالیف دعا بین الخطبین کے ایک ایسے نسخے کا ذکر کیا جاتا ہے، جس کا باقیات آزردہ میں ذکر نہیں ہے یہ مخطوطہ مولف کا خود نوشت ہے، مگر اس پر نام معروف نام سے کسی قدر مختلف ہے، ملتا ہے: استفتا در باب رفع الیدین بین الخطبین،، ترقیمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"کتبہ محمد صدر الدین، و ذالک بتاریخ ۲۷ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۴۸ھ"

یہ رسالہ بارہ صفحات پر مشتمل ہے، اور مولانا نور الحسن کے نقل کئے ہوئے آٹھ رسائل کے ساتھ مجلد ہے

(بقیہ ص۸۶ سے آگے) دواوین ممتاز ہے بعض محققین نے گلستان سخن قادر بخش صابر کو بھی صہبائی سے منسوب کیا ہے، مگر ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے تفصیلی بحث کے بعد اس روایت کا غلط ہونا ثابت کیا ہے۔ رجوع فرمایئے اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری ص۴۰ تا ص۴۲ (لاہور ۱۹۷۲ء) صہبائی نے فارسی کی متعدد درسی کتابوں کی شرحیں لکھیں، اور حل معما پر کئی کتابیں تالیف کیں، صہبائی کے تالیفات و رسائل کا مجموعہ کلیات صہبائی، منشی دین دیال نے مرتب کرا کے شائع کرا دیا تھا۔

لے اس جلد میں مولانا نور الحسن کے قلم سے مندرجہ ذیل رسائل شامل ہیں: تذکرۃ المذاہب لابن السراج۔ اسرار الشہادۃ از شاہ عبد العزیز محدث۔ ردمتعہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔ اختصار مائۃ مسائل مولانا اسحاق والاختصار وغیرہ استفتا حرمت مزامیر سوالات ستہ و جوابات از شاہ عبد العزیز محدث۔ حل رسالہ برہان العاشقین از شیخ رفیع الدین سوالات در باب ایصال ثواب و استعانت مرج البحرین مولانا شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔ رسالہ ایصال ثواب از شاہ عبد العزیز بیان فقہاے اربعہ از علمائے حرمین — یہ تمام رسائل ۴۸-۱۲۴۷ھ میں کتابت ہوئے۔

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سید المرسلین محمد و آله و صحبه

اجمعین این خاکسار ازل روزگار محمد سلیمان در عهد طفلی بر وقت تحصیل خود

مکاتیب حضرات عالی صفات بکوشش و سعی تمام بهم رسانیده بود

و از آن وقت تا الآن انها را جزو جان ساخته بحفاظت تمام و اهتمام

مالا کلام نزد خود میداشت چونکه با وجود این احتیاط چندی ازانها

پاره پاره گردیده این احقر نیز بحکم تقویم پاره میداد در عمر به بیجاه

رسیده اکنون بخبر رسیدن پاپنجگی امری باقی نیست لهذا انتساب

فصل دویم در مکاتیب دیگر فضلای کرام و علمای عظام بنام حضرت والدی ماجد

مولوی محمد نور الحسن صاحب رحمہ

مکتوب جناب مستطاب مرجع العلما مدار الفضلا حضرت جناب مولوی مفتی

محمد صدر الدین خان صاحب

مولوی صاحب مشفق مهربان جامع فضائل و مناقب سلمکم الله تعالی

بعد شوق حصول لقای بهجت افزای صوری که ورق قالب تحریر و زمان

و رضح خاطر مودت مظاهر باد بوصول صحیفه دلکشا مسرت افزا بعد

انقضای مدت ممتد و دریافت احوال فرخنده مآل آن مرضی الخلال

ذخیره اندوز انواع طمانیت و انشراح خاطر شدم باد راک جمعیت

و خیریت آن مجمع الفضائل سپاس حق سبحانه تعالی ادا کردم

دیر رسیدن رقائم این هیچ در شکایت مرقوم نامه وداد شده

غالب نامہ

غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی

فہرست